ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3911

Program: BS Islamic Studies (Spec. Seerat Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ (شعبہ سیرت سٹڈیز)

کورس: سیرت نگاری کے اسالیب و رجحانات (3911) • سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص سیرت سٹڈیز)

سمسٹر: خزاں 2026

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 1 تا 4)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، تصورات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی دینی یا قانونی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: سیرت نگاری کے مختلف ادوار؛ عہدِ رسالت ﷺ اور عہدِ صحابہ میں سیرت کے بیان و حفاظت کے طریقے (20 نمبر)

سوال: سیرت نگاری کے مختلف ادوار بیان کریں نیز عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سیرت کے بیان اور حفاظت کے طریقوں کی وضاحت کریں۔ (20)

تمہید و تعارف

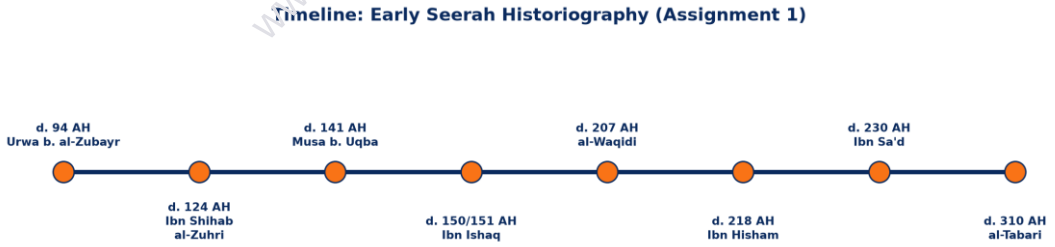
سیرت نگاری سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، آپ کے اقوال و افعال، عزیمت و سراپا، اخلاق و شمائل اور آپ کے عہد کے واقعات کو منظم علمی صورت میں جمع، بیان اور محفوظ کرنا ہے۔ یہ علم کسی ایک دن یا ایک شخص کی کاوش سے وجود میں نہیں آیا بلکہ اس نے کئی ادوار میں بتدریج ارتقا کیا: پہلے واقعات سینہ بہ سینہ اور زبانی روایت کے ذریعے محفوظ ہوئے، پھر تحریری نوٹس اور صحائف کا مرحلہ آیا، پھر مغازی و سیر کی مستقل تصانیف لکھی گئیں، اور بعد میں طبقات، تاریخ اور شمائل و خصائص جیسی مخصوص شاخیں الگ علوم کی صورت اختیار کر گئیں۔ اس جواب میں پہلے سیرت نگاری کے بڑے ادوار کا خاکہ پیش کیا جائے گا، پھر تفصیل سے یہ واضح کیا جائے گا کہ عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں سیرت کے بیان اور اس کی حفاظت کے کون سے طریقے رائج تھے، کیونکہ یہی دو ادوار وہ بنیاد ہیں جن پر بعد کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ یاد رہے کہ یہ بحث خالصتاً علمی و تاریخی ہے؛ اس کا مقصد طلبہ کو اس فن کی تاریخ سے واقف کرنا ہے۔

سیرت نگاری کے مختلف ادوار: اجمالی خاکہ

پہلا دور خود عہدِ رسالت کا ہے، جس میں سیرت کا مواد وقوع پذیر بھی ہو رہا تھا اور ساتھ ساتھ محفوظ بھی ہو رہا تھا۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات اور ہر عمل کو امانت سمجھ کر یاد رکھتے اور آگے بیان کرتے تھے۔ اس دور میں تحریر موجود تھی مگر اس کا بڑا مرکز قرآن کریم تھا؛ سیرت کا بیان زیادہ تر زبانی روایت، مشاہدے اور عملی نمونے

کی صورت میں اگلی نسل تک پہنچا۔ دوسرا دور عہدِ صحابہ و تابعین کا ہے، جس میں روایت باقاعدہ طلب و تحقیق کے ساتھ آگے بڑھی۔ اس دور میں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان اور شرحبیل بن سعد جیسے ابتدائی راویوں نے مغازی کی روایات جمع کیں اور خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر حدیث و سیرت کی تدوین کی سرکاری کوشش بھی شروع ہوئی۔

تیسرا دور تدوین و تصنیف کا ہے، جو دوسری صدی ہجری میں نمایاں ہوا۔ اس میں ابن شہاب زہری، موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر الواقدی جیسے ائمہ نے مغازی و سیرت کو مستقل کتابوں کی صورت دی۔ چوتھا دور تیسری صدی ہجری کا ہے جس میں ابن ہشام نے ابن اسحاق کی سیرت کی تلخیص و تہذیب کی، ابن سعد نے طبقات کی صورت میں سوانحی ذخیرہ مرتب کیا اور احمد بن یحییٰ البلاذری اور محمد بن جریر الطبری نے تاریخ کی بڑی کتابوں میں سیرت کو مستقل ابواب کے ساتھ جگہ دی۔ پانچواں دور تخصص کا ہے، جس میں سیرت کی الگ الگ شاخوں پر کتابیں لکھی گئیں: شمائل پر امام ترمذی، دلائلِ نبوت پر امام بیہقی، خصائص و معجزات پر قاضی عیاض اور امام سیوطی، اور حقوقِ مصطفیٰ پر الشفا جیسی کتابیں اسی تخصص کی مثالیں ہیں۔ چھٹا دور شروح، حواشی اور جدید سیرت نگاری کا ہے، جس میں مستشرقین کی تنقید کا جواب، جدید اسلوب کی سوانح عمریاں اور موضوعاتی مطالعات سامنے آئے۔ اسی تسلسل کو سمجھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیرت نگاری ایک زندہ علمی روایت ہے جو ہر دور میں نئے سوالات کے جواب دیتی رہی ہے۔



شکل: ابتدائی سیرت نگاری کی اہم شخصیات کی زمانی ترتیب (سنینِ وفات ہجری)۔

عہدِ رسالت میں سیرت کے بیان کے طریقے

عہدِ رسالت میں سیرت کے بیان کا سب سے بڑا طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا عملی نمونہ تھا۔ آپ کی زندگی کھلی کتاب کی طرح صحابہ کے سامنے تھی: گھر ہو یا مسجد، سفر ہو یا حضر، جنگ ہو یا امن، ہر حالت مشاہدے میں تھی۔ قرآن کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اہلِ ایمان کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا (سورۃ الاحزاب 33:21

کے مفہوم کا خلاصہ)؛اسی لیے صحابہ آپ کے ہر عمل کو اسی نظر سے دیکھتے تھے کہ یہ ہمارے لیے نمونہ ہے۔بیان کا دوسرا طریقہ مجالسِ نبوی تھیں۔مسجدِ نبوی میں آپ صحابہ کو تعلیم دیتے، سوالات کے جوابات دیتے اور گزشتہ اقوام وانبیا کے واقعات بھی بیان فرماتے، جس سے سیرت و تاریخ کا شعور پیدا ہوتا تھا۔تیسرا طریقہ یہ تھا کہ آپ بعض صحابہ کو خاص ذمہ داریاں دے کر بھیجتے: معلم بنا کر قبائل کی طرف سفیر بنا کر حکمرانوں کی طرف اور امیر بنا کر سریوں پر۔یہ صحابہ واپس آ کر پورے واقعات بیان کرتے، یوں سرکاری سطح کے واقعات بھی روایت کا حصہ بن جاتے تھے۔

چوتھا طریقہ خطوط و وثائق کا تھا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف بادشاہوں اور سرداروں کو دعوتی خطوط لکھوائے، قبائل سے معاہدے تحریر کروائے اور میثاقِ مدینہ جیسی دستاویز بھی تحریری صورت میں تیار ہوئی۔یہ تحریریں سیرت کے وہ ٹھوس ماخذ ہیں جن سے سیاسی و سفارتی سیرت مرتب ہوئی۔پانچواں طریقہ شاعری تھا: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سمیت کئی صحابہ شعرا نے واقعات کو منظوم صورت میں محفوظ کیا، اور عرب معاشرے میں یہ حافظے کا مضبوط ترین ذریعہ تھا۔چھٹا طریقہ یہ تھا کہ بعض صحابہ ذاتی طور پر احادیث و واقعات لکھ بھی لیتے تھے؛عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی الصحیفۃ الصادقہ اس کی مشہور مثال ہے، اور بعض دیگر صحابہ کے صحائف کا ذکر بھی روایتی ذخیرے میں ملتا ہے۔یوں اس دور میں زبانی روایت بنیادی ذریعہ تھی مگر تحریر اس کی معاون اور سند دونوں حیثیتوں میں موجود تھی۔

عہدِ رسالت میں حفاظت کے طریقے

حفاظت کا پہلا اور مضبوط ترین طریقہ حفاظ و قراء کا نظام تھا۔صحابہ کی ایک بڑی جماعت نے قرآن کریم کو حفظ کیا اور چونکہ قرآن کریم میں سیرت کے بہت سے واقعات کی طرف اشارے اور ان پر تبصرے موجود ہیں، اس لیے قرآن کی حفاظت درحقیقت سیرت کے ایک بنیادی ماخذ کی حفاظت بھی تھی۔دوسرا طریقہ ربط و تکرار کا تھا: صحابہ کسی واقعے کو بار بار بیان کرتے، مجالس میں اس کا تذکرہ ہوتا اور ایک دوسرے سے اس کی تصدیق کرتے، جس سے غلطی کا امکان کم ہو جاتا تھا۔تیسرا طریقہ عملی اتباع تھا: جب کوئی عمل پوری جماعت کی زندگی کا حصہ بن جائے تو وہ تواترِ عملی کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اور نماز، اذان، حج اور دیگر عبادات کے طریقے اسی طرح بغیر اختلاف کے محفوظ ہوئے۔چوتھا طریقہ عینی شاہدوں کی کثرت تھا: بڑے واقعات، جیسے غزوات اور خطبۂ حجۃ الوداع، ہزاروں صحابہ کے سامنے پیش آئے، اس لیے ان کی بنیادی تفصیلات میں جھوٹ یا بڑی

غلطی کا امکان عملاً ختم ہو گیا تھا۔ پانچواں طریقہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ تھی؛ آپ نے اپنی طرف جھوٹ منسوب کرنے پر سخت وعید بیان فرمائی (متفق علیہ مفہوم کی روایت کی طرف اشارہ)، جس نے ہر راوی کے دل میں احتیاط پیدا کر دی۔

عہدِ صحابہ میں بیان و حفاظت کے طریقے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نے سیرت و حدیث کی روایت کو ایک امانت کے طور پر سنبھالا۔ اس دور میں کبار صحابہ کی مجالس علم کے مراکز بن گئیں: حضرت ابو ہریرہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ سے بے شمار روایات مروی ہیں۔ بیان کا اہم طریقہ یہ تھا کہ صحابی واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنے مشاہدے اور سماع کی صراحت کرتا، مثلاً یہ کہ میں اس موقع پر موجود تھا یا میں نے یہ بات خود سنی۔ یہی صراحت بعد میں اسناد کی بنیاد بنی۔ بعض صحابہ روایت میں انتہائی احتیاط برتتے اور کم روایت کرتے، جبکہ بعض نے تعلیم کی ذمہ داری کے طور پر کثرت سے بیان کیا؛ دونوں رجحانوں نے مل کر روایت کو متوازن رکھا۔

حفاظت کے اعتبار سے عہدِ صحابہ کی سب سے بڑی خدمت جمعِ قرآن ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں جنگِ یمامہ میں حفاظ کی شہادت کے بعد زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں قرآن کریم کو ایک مصحف میں جمع کیا گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس کی معیاری نسخے تیار کر کے مختلف شہروں میں بھیجے گئے۔ چونکہ قرآن سیرت کا سب سے مستند ماخذ ہے، اس کی یہ حفاظت سیرت کی حفاظت کی بھی ضمانت بن گئی۔ اس دور کی دوسری خدمت روایات کی باہمی جانچ تھی: صحابہ کسی نئی روایت کو قبول کرنے سے پہلے اس کے راوی سے گواہ یا تصدیق طلب کرتے، جس کی مثالیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل میں کثرت سے ملتی ہیں۔ تیسری خدمت یہ تھی کہ صحابہ مختلف شہروں، یعنی مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن، میں پھیل گئے اور جہاں گئے وہاں سیرت و سنت کا علم ساتھ لے گئے، یوں روایت ایک ہی مرکز میں محدود نہ رہی بلکہ اس کی شہادتیں متعدد مراکز سے ملنے لگیں۔ چوتھی خدمت تابعین کی تیاری تھی: صحابہ نے ایک پوری نسل کو روایت کی تربیت دی، اور یہی تابعین آگے چل کر مدوّنینِ سیرت کے اساتذہ بنے۔

جدول: عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ میں بیان و حفاظت کے طریقوں کا موازنہ

پہلو	عہدِ رسالت	عہدِ صحابہ
بنیادی ذریعہ	مشاہدہ، مجالسِ نبوی، عملی نمونہ	کبار صحابہ کی مجالس اور باقاعدہ روایت
تحریری ذریعہ	خطوط، معاہدے، میثاقِ مدینہ، انفرادی صحائف	جمعِ قرآن، خطوط و دفاتر، راویوں کے نوٹس
حفاظت کا نظام	حفظ کی روایت، تکرار، تواترِ عملی	باہمی جانچ، گواہی و تصدیق، متعدد علمی مراکز
مقصد	دین کی تعلیم اور عملی تربیت	دین و سیرت کی امانت اگلی نسل تک ترسیل

ان طریقوں کی علمی اہمیت

ان طریقوں کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سیرت کی حفاظت محض اتفاق نہیں تھی بلکہ ایک شعوری اجتماعی نظام تھا۔ زبانی روایت کو حافظے، تکرار اور کثیر شہادتوں سے مضبوط کیا گیا؛ تحریر کو خطوط، وثائق اور صحائف کی صورت میں ساتھ رکھا گیا؛ اور اخلاقی سطح پر جھوٹ سے نفرت اور امانت کا شعور ہر راوی کی حفاظت پر مامور تھا۔ بعد کے محدثین نے اسی بنیاد پر علمِ اسناد، جرح و تعدیل اور رواۃ کی جانچ کے اصول بنائے۔ یہی وجہ ہے کہ سیرتِ نبوی کو دنیا کی ان سوانح میں شمار کیا جاتا ہے جن کے ماخذ سب سے زیادہ، سب سے قدیم اور سب سے زیادہ جانچے ہوئے ہیں۔ طالب علم کے لیے سبق یہ ہے کہ سیرت پڑھتے وقت ماخذ کی نوعیت کو پہچاننا ضروری ہے: کون سی بات قرآن سے ثابت ہے، کون سی صحیح روایت سے، اور کون سی تاریخی روایات سے، تاکہ مطالعہ متوازن اور مستند رہے۔

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ سیرت نگاری نے زبانی روایت سے تدوین، اور تدوین سے تخصص تک کا سفر کئی ادوار میں طے کیا۔ عہدِ رسالت میں سیرت عملی نمونے، مجالس، خطوط، وثائق اور انفرادی تحریروں کے ذریعے بیان و محفوظ ہوئی، اور عہدِ صحابہ میں جمعِ قرآن، باہمی جانچ، متعدد علمی مراکز اور تابعین کی تربیت کے ذریعے یہ امانت مضبوط بنیادوں پر

اگلی نسل کو منتقل ہوئی۔ انہی طریقوں کی بدولت آج ہمارے سامنے سیرت کا اتنا وسیع و مستند ذخیرہ موجود ہے جس کی روشنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے چھوٹے بڑے واقعات اعتماد کے ساتھ پڑھے اور سمجھے جا سکتے ہیں۔

سوال نمبر 2: علمِ سیرت کے ابتدائی مصادر اور سیرت نگاری کی بنیاد میں ان کا کردار (20 نمبر)

سوال: علمِ سیرت کے ابتدائی مصادر کا تعارف پیش کریں اور وضاحت کریں کہ ان مصادر نے سیرت نگاری کی بنیاد رکھنے میں کیا کردار ادا کیا؟ (20)

تمہید و تعارف

ہر علم کی مضبوطی اس کے مصادر سے ہوتی ہے۔ علمِ سیرت کے مصادر سے مراد وہ بنیادی ماخذ ہیں جن سے سیرت نگار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات اخذ کرتا ہے۔ خوش قسمتی سے سیرت کے ابتدائی مصادر غیر معمولی طور پر قریبی زمانے کے، کثیر تعداد میں اور متنوع نوعیت کے ہیں۔ ان میں وحی، روایت، تحریر، شعر، انساب اور آثار سب شامل ہیں۔ اس جواب میں ان مصادر کا ایک ایک کر کے تعارف پیش کیا جائے گا اور ساتھ یہ واضح کیا جائے گا کہ ہر مصدر نے سیرت نگاری کی بنیاد رکھنے میں کیا مخصوص کردار ادا کیا۔ یہ تقسیم سمجھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ سیرت کی ہر بات کا درجہ اس کے مصدر کے اعتبار سے متعین ہوتا ہے؛ جو بات قرآن سے ثابت ہو اس کا درجہ سب سے بلند ہے، اور جو تاریخی روایات سے ہو اس کا معیار اسناد و شہادتوں سے پرکھا جاتا ہے۔

پہلا مصدر: قرآن کریم

سیرت کا سب سے پہلا، سب سے مستند اور سب سے محفوظ مصدر قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوران نازل ہوا اور اس میں آپ کی دعوت کے مراحل، مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات، غزوات کی طرف اشارات، آپ کی ازواج و اہلِ خانہ سے متعلق بعض واقعات، خطبۂ الٰہی کی صورت میں آپ کی اخلاقی تربیت اور آپ کے مقام و مرتبے کا بیان موجود ہے۔ سورۃ الاحزاب، سورۃ الانفال، سورۃ آلِ عمران، سورۃ التوبہ اور سورۃ الفتح سمیت کئی سورتوں میں سیرت کے

واقعات کا پس منظر سمجھے بغیر آیات کا صحیح مفہوم کھلتا ہی نہیں۔ قرآن کا کردار بنیاد رکھنے میں دوہرا ہے: ایک طرف یہ سیرت کے واقعات کی سب سے بلند سند فراہم کرتا ہے، اور دوسری طرف یہ سیرت کی تعبیر کا معیار بھی ہے، یعنی جس روایت کا مفہوم قرآن کے مزاج سے ٹکرائے اسے قبول کرنے میں احتیاط برتی جاتی ہے۔ مزید یہ کہ قرآن نے اسبابِ نزول کے ذریعے واقعات کی زمانی ترتیب سمجھنے میں بھی بنیادی مدد دی، اور مفسرین کی کتابیں بالواسطہ سیرت کا بڑا ذخیرہ بن گئیں۔

دوسرا مصدر: حدیث و سنت کا ذخیرہ

دوسرا بڑا مصدر احادیث کا ذخیرہ ہے، یعنی صحابہ کرام کی وہ روایات جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریرات بیان ہوئے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سمیت کتبِ حدیث میں کتاب المغازی، کتاب الجہاد، کتاب المناقب اور کتاب اللباس جیسے ابواب خالص سیرت و شمائل کا مواد پیش کرتے ہیں۔ حدیث کا مصدر ہونے کی خصوصیت اس کا نظامِ اسناد ہے: ہر روایت کے ساتھ راویوں کا سلسلہ موجود ہے، جس سے محقق یہ جان سکتا ہے کہ خبر کس سے اور کس زمانے میں سنی۔ سیرت نگاری کی بنیاد میں حدیث نے یہ کردار ادا کیا کہ اس نے واقعات کو جانچنے کا پیمانہ فراہم کیا۔ سیرت نگار جب دو متضاد روایات میں ترجیح دینا چاہتا ہے تو وہ سند و متن کے انہی اصولوں سے کام لیتا ہے جو علمِ حدیث نے دیے ہیں۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ سیرت و حدیث شروع میں ایک ہی دھارے میں چلے ہیں؛ ابتدائی مدوّنین میں بیشتر وہی اہلِ علم ہیں جو محدث بھی تھے اور مؤرخِ سیرت بھی۔

تیسرا مصدر: کتبِ مغازی و سیر (ابتدائی تصانیف)

تیسرا مصدر وہ ابتدائی تصانیف ہیں جو دوسری صدی ہجری میں مغازی و سیر کے نام سے لکھی گئیں۔ ان میں عروہ بن زبیر کی روایات اور ان کے مکتوبات، موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی، ابن شہاب زہری کی جمع کردہ روایات، ابن اسحاق کی السیرۃ، واقدی کی کتاب المغازی اور ابن سعد کی الطبقات الکبریٰ قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے بعض کتابیں اپنی اصل صورت میں محفوظ نہیں رہیں مگر ان کے اقتباسات بعد کی کتابوں، خاص طور پر طبری کی تاریخ اور ابن ہشام کی سیرت میں نقل ہو کر بچ گئے ہیں۔ ان تصانیف کا کردار یہ تھا کہ انھوں نے بکھری ہوئی روایات کو زمانی ترتیب دی، مکی و مدنی ادوار کو الگ کیا، غزوات و سریوں کی فہرستیں اور سن وار ترتیب قائم کی اور سیرت کو ایک مستقل فن کی

صورت دی۔ اگر یہ ابتدائی تصانیف نہ ہوتیں تو بعد کے سیرت نگاروں کے پاس واقعات کا مفصل و مرتب ذخیرہ موجود نہ ہوتا۔ ان کتابوں کے اسلوب میں بھی تنوع تھا: کوئی اسناد کا زیادہ اہتمام کرتا، کوئی تفصیل و وسعت کا، اور یہی تنوع بعد کی سیرت نگاری کے مختلف رجحانات کی بنیاد بنا۔

چوتھا مصدر: طبقات، تاریخ اور انساب کی کتابیں

چوتھا مصدر طبقات و تاریخ و انساب کا ادب ہے۔ طبقات کی کتابوں میں صحابہ و تابعین کی سوانح درج ہیں جن سے سیرت کے کرداروں کی شناخت، ان کے سن و مقام اور واقعات میں ان کی شرکت معلوم ہوتی ہے۔ تاریخ کی بڑی کتابیں، مثلاً طبری کی تاریخ الرسل والملوک اور بلاذری کی فتوح البلدان، سیرت کو عام تاریخ کے تسلسل میں رکھ کر دکھاتی ہیں اور ضمنی تفصیلات فراہم کرتی ہیں۔ انساب کی کتابیں، مثلاً ابن حزم کی جمہرۃ انساب العرب اور بلاذری کی انساب الاشراف، قبائل و خاندانوں کے پس منظر کو روشن کرتی ہیں، جس کے بغیر ہجرت، مواخات، غزوات اور قبائل سے تعلقات کا سمجھنا مشکل رہتا۔ ان مصادر کا کردار سیرت کو پس منظر و سیاق دینا تھا: واقعہ کب ہوا، کن لوگوں کے درمیان ہوا اور اس سے پہلے و بعد میں کیا ہوا۔ اس طرح سیرت محض واقعات کی فہرست نہ رہی بلکہ ایک مربوط تاریخی بیان بن گئی۔ اس کے علاوہ خطوط، معاہدات اور وثائق کی نقول جو تاریخ و سیر کی کتابوں میں محفوظ ہوئیں، سفارتی و سیاسی سیرت کا براہِ راست مصدر ہیں اور مغازی کے بیان کی تصدیق و تکمیل کرتی ہیں۔

پانچواں مصدر: شعر، ایامِ عرب اور اہلِ کتاب کی روایات

پانچواں مصدر شعر و ایامِ عرب کا ذخیرہ ہے۔ عربوں کے ہاں شعر کو دیوانِ عرب کہا گیا ہے، کیونکہ ان کی تاریخ، نسب اور واقعات شعر میں محفوظ ہوتے تھے۔ حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم سمیت دورِ نبوی کے شعرا کے کلام میں غزوات، شخصیات اور حالات کی جھلکیاں ملتی ہیں۔ ابن اسحاق اور دیگر سیرت نگاروں نے اپنے بیان کی تائید میں اشعار بکثرت نقل کیے ہیں، اگرچہ محققین نے بعد میں شعری روایات کی چھان بین بھی کی ہے، کیونکہ شعر میں مبالغہ اور بعد کی اضافہ ممکن ہوتا ہے۔ اسی ذیل میں ایامِ عرب یعنی قدیم جنگوں و واقعات کی روایات بھی آتی ہیں جن سے قبل از اسلام عرب کی سماجی حالت معلوم ہوتی ہے۔ چھٹے مصدر کے طور پر اہلِ کتاب کی روایات اور سابقہ انبیا کے قصص کا ذکر بھی ضروری ہے، جنہیں مبتدا و قصص کی صورت میں ابتدائی سیرت نگاروں نے شامل کیا۔ محدثین و محققین نے ان روایات کو احتیاط سے

لینے کا اصول مقرر کیا ہے کہ انھیں نہ مکمل سچ مانا جائے نہ جھٹلایا جائے، بلکہ شریعت کے موافق حصے کو تاریخِ انبیا کے پس منظر کے طور پر رکھا جائے۔ ان ضمنی مصادر نے سیرت کو قبل از بعثت کے پس منظر سے جوڑ کر اسے مکمل بنایا۔

جدول: سیرت کے ابتدائی مصادر اور ان کا بنیادی کردار

بنیاد رکھنے میں کردار	مثالیں	مصدر
مستند ترین سند اور تعبیر کا معیار	المائدہ، الانفال، الاحزاب، الفتح وغیرہ	قرآن کریم
اسناد و جانچ کا نظام اور واقعات کی تفصیل	صحاح و سنن کے ابواب مغازی و مناقب	حدیث و سنت
ترتیبِ زمانی، مدون فن کی تشکیل	ابن اسحاق، واقدی، موسیٰ بن عقبہ	کتبِ مغازی و سیر
کرداروں کی شناخت اور واقعات کا سیاق	ابن سعد، طبری، بلاذری	طبقات و تاریخ و انساب
پس منظر، تائیدی شواہد، سماجی فضا	دیوانِ حسان و دیگر شعرائے سیرت	شعر و ایامِ عرب

مصادر کے باہمی تعلق اور تحقیقی اصول

یہ مصادر الگ الگ جزیرے نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ قرآن واقعے کی اصل کی طرف اشارہ کرتا ہے، حدیث اس کی تفصیل دیتی ہے، مغازی اسے زمانی سلسلے میں رکھتی ہے، طبقات اس کے کردار متعارف کراتی ہے اور شعر و انساب اس کا ماحول واضح کرتے ہیں۔ سیرت نگار کا اصل فن یہی ہے کہ وہ ان سب کو ان کے درجے کے مطابق استعمال کرے: قطعی مصدر سے اصل واقعہ ثابت کرے، روایات سے تفصیلات لے اور ضمنی مصادر سے پس منظر جوڑے۔ اسی لیے کلاسیکی سیرت نگاروں کے ہاں روایت کی قبولیت کے کچھ اصول مقرر ہوئے: اسناد کی جانچ، راویوں کی ثقاہت، متعدد طرق سے تائید، اور قرآن و مشہور سنت سے عدمِ تعارض۔ جدید تحقیق نے ان میں یہ

اضافہ کیا ہے کہ تاریخی تنقید، جغرافیائی مطالعہ اور دستاویزی شواہد کو بھی ساتھ رکھا جائے۔ ان اصولوں کی موجودگی بتاتی ہے کہ سیرت نگاری کی بنیاد اندھی تقلید پر نہیں بلکہ جانچے ہوئے مصادر پر رکھی گئی تھی۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ علمِ سیرت کے ابتدائی مصادر میں قرآن کریم سب سے بلند سند ہے، حدیث نے اسناد و جانچ کا نظام دیا، کتبِ مغازی و سیر نے مرتب فن کی بنیاد رکھی، طبقات و تاریخ و انساب نے کردار و سیاق فراہم کیا اور شعر و ایامِ عرب نے سماجی پس منظر روشن کیا۔ ان مصادر کے ملنے سے سیرت نگاری وہ واحد سوانحی روایت بن گئی جس میں واقعہ، سند، زمانہ اور پس منظر چاروں چیزیں ساتھ ملتی ہیں۔ طالب علم جب بھی سیرت پڑھے تو اسے یہ پہچان رکھنی چاہیے کہ ہر بات کس مصدر سے آئی ہے، کیونکہ یہی پہچان مطالعۂ سیرت کو معلومات سے بڑھا کر علم بنا دیتی ہے۔

سوال نمبر 3: امام ابنِ اسحاق کی سیرت نگاری کا منہج و اسلوب اور بعد کے سیرت نگاروں پر اس کے اثرات (20 نمبر)

سوال: امام ابنِ اسحاق کی سیرت نگاری کے منہج اور اسلوبِ بیان کی وضاحت کریں نیز بعد کے سیرت نگاروں پر ان کے منہج کے اثرات کا جائزہ پیش کریں۔ (20)

تمہید و تعارف

محمد بن اسحاق بن یسار، جو ابنِ اسحاق کے نام سے مشہور ہیں، سیرت نگاری کی تاریخ کی سب سے مرکزی شخصیت ہیں۔ آپ تقریباً 85 ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور 150 یا 151 ہجری میں بغداد میں وفات پائی۔ آپ کے دادا یسار ان قیدیوں میں سے تھے جو مدینہ لائے گئے اور بعد میں یہ خاندان علمی حلقوں میں معروف ہوا۔ ابنِ اسحاق نے مدینہ میں زہری سمیت بڑے اہلِ علم سے استفادہ کیا، مصر کا سفر بھی کیا اور بالآخر خلیفہ منصور کے عہد میں بغداد آ کر وہ عظیم کتاب مرتب کی جو سیرتِ ابنِ اسحاق کے نام سے مشہور ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس تصنیف کی ترغیب دربار کی طرف سے بھی تھی تاکہ ولی عہد کی تعلیم کے لیے انبیا و ملوک کی تاریخ یکجا ہو۔ افسوس کہ اصل کتاب اپنی مکمل

صورت میں محفوظ نہیں رہی، مگر ابنِ ہشام کی تلخیص، طبری کی تاریخ میں اقتباسات اور دیگر رواۃ کی نقول کی صورت میں اس کا بڑا حصہ ہمارے سامنے ہے۔ اس جواب میں ابنِ اسحاق کے منہج اور اسلوب کا جائزہ لیا جائے گا اور پھر یہ دکھایا جائے گا کہ بعد کے سیرت نگار ان سے کس کس پہلو سے متاثر ہوئے۔

ابنِ اسحاق کا منہج: جمع و ترتیب

ابنِ اسحاق کے منہج کی پہلی خصوصیت جامعیت ہے۔ انھوں نے سیرت کو صرف غزوات تک محدود نہیں رکھا بلکہ کتاب کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا: مبتدا، یعنی آغازِ کائنات، گزشتہ انبیا اور عرب کی قدیم تاریخ؛ مبعث، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بعثت و ہجرت تک کا مکی دور؛ اور مغازی، یعنی مدنی دور، غزوات و سرایا اور وفات تک کے واقعات۔ یہ سہ حصہ ترتیب بعد میں سیرت کی کتابوں کا عام سانچا بن گئی۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے مواد کو متعدد ذرائع سے جمع کیا: قرآن کریم، صحابہ و تابعین کی روایات، مدینہ کے اہلِ علم، اہلِ کتاب کے علما سے حاصل کردہ معلومات اور عرب کے انساب و اشعار۔ تیسرا پہلو زمانی ترتیب ہے: ہر واقعے کو اس کے سن اور مرحلے کے ساتھ رکھا گیا، جس سے سیرت ایک مربوط تاریخ بن گئی۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ وہ اکثر جگہ راویوں کے نام لیتے ہیں اور کبھی کئی اسناد کو جمع کر کے ایک مشترکہ بیان بناتے ہیں جسے اسنادِ مجموعہ کہا جاتا ہے؛ یہی نکتہ ان پر ہونے والی تنقید کا بھی ایک سبب بنا۔

اسلوبِ بیان کی خصوصیات

اسلوب کے اعتبار سے ابنِ اسحاق کی سیرت روایتی اختصار کے بجائے قصصی و تفصیلی بیان رکھتی ہے۔ واقعے کا پس منظر، کرداروں کے مکالمے، خطوط و تقاریر اور اشعار سب ساتھ نقل ہوتے ہیں، جس سے کتاب پڑھنے والے کے سامنے پورا منظر روشن ہو جاتا ہے۔ انھوں نے واقعات کی شہادت کے لیے شعر کو بطورِ سند بڑی کثرت سے استعمال کیا؛ بہت سے اشعار صرف انھی کی کتاب کے واسطے سے محفوظ ہوئے۔ ان کے اسلوب کی ایک اور خصوصیت توضیحی مداخلت ہے: کہیں کہیں وہ خود جملہ کہہ کر واقعے کی وضاحت کرتے ہیں یا اختلافِ روایت کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ زبان سلیس عربی ہے جس میں مدینہ کے علمی حلقوں کی سادگی اور قصہ گوئی کی روانی دونوں پائی جاتی ہیں۔ یہی اسلوب ان کی کتاب کو بعد کے قاری کے لیے سب سے پرکشش ماخذ بناتا ہے، یہاں تک کہ ابنِ ہشام نے تلخیص کرتے ہوئے بھی اس بیان کی عمومی ساخت بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں

کی۔ ان کا یہ انتخاب کہ ولادت سے پہلے کے پس منظر کو بھی شامل کیا جائے، اس بات کی علامت ہے کہ وہ سیرت کو ایک مکمل تاریخی تسلسل کے طور پر دیکھتے تھے، نہ کہ الگ تھلگ واقعات کے مجموعے کے طور پر۔

ابنِ اسحاق پر تنقید اور اس کا علمی جواب

ابنِ اسحاق کی شخصیت اور کتاب پر قدیم علماء کی آراء مختلف رہی ہیں، اور طالب علم کو اس سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ امام مالک نے بعض روایات کے سلسلے میں ان پر سخت تنقید کی، جبکہ امام شافعی کا مشہور قول نقل کیا جاتا ہے کہ جو شخص مغازی میں گہرائی چاہتا ہے وہ ابنِ اسحاق کا محتاج ہے۔ بعض محدثین نے ان کی بعض اسناد، خاص طور پر اسنادِ مجموعہ اور اہلِ کتاب سے لی گئی روایات پر اعتراض کیا، اور بعض نے انھیں مغازی میں امام اور ثقہ قرار دیا۔ اس اختلاف کی اصل وجہ دو مختلف معیار ہیں: محدثین حدیث کے لیے فرداً فرداً کامل سند چاہتے ہیں، جبکہ تاریخی روایت میں واقعے کی عمومی ثبوت کو بھی قدر ملتی ہے۔ بعد کے محققین نے اس کا متوازن حل یہ نکالا کہ ابنِ اسحاق کی روایات کو ان کے درجے کے مطابق لیا جائے: جہاں ان کی تائید دیگر ماخذ سے ہو وہاں اعتماد بڑھ جاتا ہے، اور جہاں وہ منفرد ہوں وہاں احتیاط برتی جاتی ہے۔ یہ تنقید درحقیقت نقصان کے بجائے فائدہ مند ثابت ہوئی، کیونکہ اسی نے بعد کے سیرت نگاروں کو روایت کی جانچ کے اصول سکھائے اور ابنِ ہشام جیسے محقق کو تلخیص و تہذیب پر آمادہ کیا۔

جدول: ابنِ اسحاق کے منہج کی نمایاں خصوصیات

خصوصیت	تفصیل	بعد پر اثر
سہ حصہ ترتیب	مبتدا، مبعث، مغازی	سیرت کی کتابوں کا معیاری خاکہ بن گئی
جامع مصادر	قرآن، روایات، انساب، شعر، اہلِ کتاب	سیرت نگاروں نے کثیر المصادر طریقہ اپنایا
زمانی ترتیب	واقعات سن و مرحلے کے ساتھ	ہر سیرت میں کرونولوجی بنیادی بن گئی
شعر بطور شہادت	واقعات کے ساتھ اشعار کی نقل	بعد کی کتابوں میں شعری شواہد کا رواج

تنقید و جانچ کے نئے مباحث پیدا ہوئے	کئی سندوں کا مشترکہ بیان	اسنادِ مجموعہ

بعد کے سیرت نگاروں پر اثرات: ابنِ ہشام، واقدی و ابنِ سعد

ابنِ اسحاق کے اثرات کا سب سے روشن ثبوت ابنِ ہشام ہیں۔ عبدالملک بن ہشام (وفات 218 ہجری) نے زیاد بن عبداللہ البکائی کی روایت سے ابنِ اسحاق کی کتاب کو تلخیص کر کے وہ صورت دی جو آج السیرۃ النبویہ کے نام سے سب سے زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ ابنِ ہشام نے بعض طویل اشعار، مبتدا کے بعض حصے اور ایسی باتیں حذف یا مختصر کیں جنھیں وہ غیر ضروری یا متنازع سمجھتے تھے، نسب ناموں کی تحقیق کی اور مشکل الفاظ کی لغوی تشریح شامل کی۔ مگر کتاب کی ترتیب، ابواب اور واقعات کی بنیادی ساخت ابنِ اسحاق ہی کی رہی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی سب سے مشہور سیرت دراصل ابنِ اسحاق کے منہج کی ترمیم شدہ صورت ہے۔ واقدی نے مغازی میں تفصیل و تواریخ کی درستگی کو آگے بڑھایا اور ابنِ سعد نے طبقات کے اضافے سے کرداروں کی سوانح کو سیرت کا مستقل حصہ بنایا؛ دونوں کا نقطۂ آغاز ابنِ اسحاق کا فراہم کردہ خاکہ تھا، جس میں انھوں نے اپنے اپنے میدان کی وسعت شامل کی۔

بعد کے سیرت نگاروں پر اثرات: مؤرخین و متاخرین

مؤرخین میں طبری نے اپنی تاریخ میں ابنِ اسحاق کی روایات کو متعدد اسناد کے ساتھ نقل کیا، جس سے اصل کتاب کے وہ حصے بھی محفوظ ہو گئے جو ابنِ ہشام نے حذف کر دیے تھے۔ اس طرح محقق آج ابنِ ہشام اور طبری کو ملا کر اصل ابنِ اسحاق کی بہتر تصویر بنا سکتا ہے۔ متاخر سیرت نگاروں میں ابنِ کثیر نے البدایہ والنہایہ میں، ابنِ قیم نے زاد المعاد میں اور ابنِ سید الناس نے عیون الاثر میں ابنِ اسحاق کو بنیادی ماخذ کے طور پر استعمال کیا، اگرچہ ہر ایک نے اپنے ذوق کے مطابق تنقید و انتخاب بھی کیا۔ مغرب کے محققین نے بھی سیرت کی قدیم ترین مدون صورت کی حیثیت سے ابنِ اسحاق ہی کو مرکز بنایا اور ان کی روایات پر تحقیقی کام کی پوری روایت قائم ہوئی۔ اردو سیرت نگاری میں بھی شبلی نعمانی کی سیرت النبی سمیت بڑی کتابیں ابنِ اسحاق و ابنِ ہشام کو اولین ماخذ مانتی ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ ابنِ اسحاق نے صرف ایک کتاب نہیں لکھی بلکہ سیرت نگاری کا وہ نقشہ تیار

کیا جس پر چودہ صدیوں سے عمارت بن رہی ہے: جامعیت، زمانی ترتیب، کثیر المصادر تحقیق اور تفصیلی قصصی بیان ان کی ایسی دین ہیں جو آج بھی ہر سنجیدہ سیرت میں نظر آتی ہیں۔

نتیجہ

حاصلِ بحث یہ ہے کہ ابنِ اسحاق کا منہج جامعیت، سہ حصہ ترتیب، زمانی تسلسل اور متعدد مصادر سے استفادے پر قائم تھا اور ان کا اسلوب تفصیلی، رواں اور شواہد سے بھرپور تھا۔ ان پر تنقید نے اس فن کو جانچ کے اصول دیے اور ان کی کتاب نے ابنِ ہشام سے لے کر جدید محققین تک ہر سیرت نگار کو بنیادی ماخذ فراہم کیا۔ اسی لیے انھیں بجا طور پر بابائے سیرت نگاری کہا جاتا ہے: ان سے پہلے مواد موجود تھا، مگر سیرت کو ایک مکمل، مرتب اور مستقل فن کی صورت انھی نے دی۔

سوال نمبر 4: شمائلِ نبوی ﷺ کا مفہوم اور کسی اہم کتابِ شمائل کے منہج و اسلوب کا جائزہ (20 نمبر)

سوال: شمائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مفہوم بیان کریں نیز علمِ شمائل سے متعلق کسی ایک اہم کتاب کے منہج و اسلوب کا جائزہ پیش کریں۔ (20)

تمہید و تعارف

سیرتِ نبوی کا ایک دلکش اور مخصوص شعبہ علمِ شمائل ہے۔ اگر سیرت میں بڑے واقعات، غزوات اور تاریخی مراحل بیان ہوتے ہیں تو شمائل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روزمرہ زندگی، آپ کا حلیہ مبارک، لباس، خوراک، گفتگو، عبادت، نیند، مہمان نوازی اور گھریلو معمولات بیان ہوتے ہیں۔ یہی تفصیلات سیرت کو تاریخ کی کتاب سے نکال کر قابلِ اتباع عملی نمونہ بناتی ہیں۔ اس جواب میں پہلے شمائل کا لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کیا جائے گا، پھر اس علم کے موضوعات اور اہمیت بیان ہوں گے، اور اس کے بعد اس فن کی سب سے مشہور کتاب، امام ابو عیسیٰ ترمذی کی الشمائل المحمدیہ، کے منہج و اسلوب کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہ کتاب اس لیے منتخب کی گئی ہے کہ شمائل کی تقریباً ہر بعد کی تصنیف اسی کے نقشِ قدم پر چلی ہے اور آج بھی دنیا بھر میں یہی کتاب اس فن کی نمائندہ سمجھی جاتی ہے۔

شمائل کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

شمائل عربی لفظ شمال کی جمع ہے جس کے لغوی معنی عادات، اطوار، طبائع اور خصلتوں کے ہیں۔ بعض اہلِ لغت کے مطابق اس کا تعلق جسم کے احاطے اور ظاہری و باطنی اوصاف کے مجموعے سے ہے، اسی لیے اس لفظ کا اطلاق ظاہری صورت و حلیے اور باطنی اخلاق و عادات دونوں پر ہوتا ہے۔ اصطلاح میں شمائلِ نبوی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی اوصاف، آپ کی نشست و برخاست، چال ڈھال، لباس و طعام، عبادت و معاملات اور روزمرہ عادات سے متعلق وہ روایات و معلومات ہیں جو صحابہ کرام نے بیان کیں اور محدثین نے کتابوں میں جمع کیں۔ اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ شمائل کا دائرہ تین حصوں میں پھیلا ہوا ہے: پہلا حلیہ و صورت، دوسرا عادات و معمولات، اور تیسرا اخلاق و معاملات۔ اسی وسعت کی وجہ سے شمائل کو کبھی خصائص اور کبھی دلائل سے قریب سمجھا جاتا ہے، مگر اس کی تمیز یہ ہے کہ خصائص میں وہ امتیازات آتے ہیں جو صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص تھے، جبکہ شمائل کا محور وہ اوصاف و عادات ہیں جن میں امت کے لیے نمونہ اور اسوہ موجود ہے۔

علمِ شمائل کے موضوعات اور اہمیت

علمِ شمائل کے موضوعات روزمرہ زندگی کی تقریباً ہر جہت کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان میں آپ کے قد و قامت، رنگ و رخسار اور اعضا کی کیفیت جیسی حلیے کی تفصیلات بھی ہیں اور انگوٹھی، عمامہ، چادر اور نعلین جیسی ظاہری اشیا کا ذکر بھی۔ کھانے پینے کے آداب، پسندیدہ غذائیں، پانی پینے کا طریقہ، سونے و جاگنے کے معمولات، خوشبو کا استعمال، مزاح و مسکراہٹ، گفتگو کا انداز، راستے چلنے کی کیفیت اور گھر میں اہلِ خانہ کے ساتھ برتاؤ سب شمائل کے موضوعات ہیں۔ اس علم کی اہمیت تین پہلوؤں سے نمایاں ہے۔ اول، یہ اتباعِ سنت کو ممکن بناتا ہے، کیونکہ بڑے اصولوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی عملی صورتیں بھی سامنے آ جاتی ہیں۔ دوم، یہ محبتِ رسول میں گہرائی پیدا کرتا ہے؛ انسان جس شخصیت کی عادات و اطوار سے جتنا واقف ہوتا ہے اس سے اتنا ہی قریب محسوس کرتا ہے۔ سوم، یہ سیرت کی تصدیق کا ذریعہ بھی ہے، کیونکہ حلیے و عادات سے متعلق روایات مختلف صحابہ سے مروی ہونے کے باوجود ایک ہم آہنگ تصویر پیش کرتی ہیں، جو اس ذخیرے کی صداقت کی دلیل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے شمائل کی مجالس کو تربیت و تزکیے کا ذریعہ بھی بنایا ہے۔

امام ترمذی اور الشمائل المحمدیہ کا تعارف

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (وفات 279 ہجری) تیسری صدی ہجری کے عظیم محدث ہیں، جن کی الجامع یعنی سنن ترمذی صحاحِ ستہ میں شامل ہے۔ ان کی کتاب الشمائل المحمدیہ، جسے عام طور پر شمائلِ ترمذی کہا جاتا ہے، شمائل کے فن کی سب سے قدیم جامع اور سب سے زیادہ مقبول کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے تقریباً چار سو روایات کو پچاس سے زائد ابواب میں ترتیب دیا ہے؛ درست تعداد مختلف نسخوں و طباعت میں معمولی فرق کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔ کتاب کا آغاز حلیۂ مبارک کے باب سے ہوتا ہے اور اختتام ایک ایسے باب پر ہوتا ہے جس میں خواب میں زیارتِ نبوی سے متعلق روایات ہیں۔ اردو سمیت دنیا کی بڑی زبانوں میں اس کے تراجم موجود ہیں اور دینی مدارس کے نصاب میں یہ کتاب صدیوں سے شامل ہے۔ ملا علی قاری کی جمع الوسائل اور دیگر کئی شروح نے اس کی فکری و تدریسی تشریح کی روایت قائم کی۔ یہ پس منظر سمجھنے کے بعد اب اس کے منہج و اسلوب کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔

شمائلِ ترمذی کا منہج

شمائلِ ترمذی کے منہج کی پہلی خصوصیت حدیثی اسلوب کی مکمل پابندی ہے: تقریباً ہر روایت اسناد کے ساتھ نقل کی گئی ہے، جس سے کتاب عام سیرت کی کتابوں سے ممتاز ہو جاتی ہے اور محقق ہر خبر کی جانچ کر سکتا ہے۔ دوسری خصوصیت موضوعاتی تبویب ہے: مصنف نے روایات کو شخصیت کے ایک ایک پہلو کے اعتبار سے ابواب میں بانٹا ہے، مثلاً حلیہ، خاتم یعنی مہرِ نبوت، بالوں کی کیفیت، لباس، کھانا، گفتگو، عبادت اور اخلاق کے الگ الگ ابواب۔ یہ ترتیب انسانی شخصیت کو سر سے معمولات تک بتدریج پیش کرتی ہے۔ تیسری خصوصیت اختصار و فوکس ہے: کتاب میں غزوات و سیاسی واقعات تقریباً نہیں ہیں، کیونکہ مصنف کا موضوع صرف روزمرہ زندگی و اوصاف ہے؛ اس فوکس نے کتاب کو حجم میں مختصر مگر اثرات میں غیر معمولی بنا دیا۔ چوتھی خصوصیت راویوں کا تنوع ہے: حضرت علی، حضرت انس، حضرت عائشہ، حضرت جابر بن سمرہ اور حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کی طویل و مختصر دونوں قسم کی روایات شامل ہیں، اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت کردہ مشہور طویل حدیثِ حلیہ کتاب کی نمایاں

روایات میں سے ہے۔ پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے کہیں کہیں روایت کے بعد مختصر لفظی توضیح بھی کی ہے، جس سے عام قاری کو مشکل الفاظ سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

شمائلِ ترمذی کا اسلوبِ بیان

اسلوبِ بیان کے اعتبار سے کتاب نہایت سادہ، براہِ راست اور روایت محور ہے۔ مصنف اپنی طرف سے طویل تبصرے نہیں کرتے؛ وہ روایات کو اس طرح لڑی میں پروتے ہیں کہ قاری خود شخصیت کا تاثر بناتا چلا جاتا ہے۔ ابواب کے عنوانات بھی بیانیہ اسلوب رکھتے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس کیسا تھا، آپ کی گفتگو کیسی تھی، آپ کا سونا کیسا تھا جیسے عنوانات قاری کو فوراً موضوع سے جوڑ دیتے ہیں۔ کتاب میں تکرار بھی شعوری طور پر موجود ہے: ایک ہی پہلو پر کئی صحابہ کی روایات لا کر تصویر کے مختلف زاویے دکھائے جاتے ہیں، اور بعض جگہ مختصر روایت کے بعد طویل روایت رکھ کر تفصیل مکمل کی گئی ہے۔ یہ اسلوب حدیث کی کتابوں کا ہے مگر اس کا اثر سیرت کی کتابوں جیسا ہے، کیونکہ اختتام پر قاری کے ذہن میں واقعات کی فہرست کے بجائے ایک زندہ شخصیت کا خاکہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو صرف تحقیق کے لیے نہیں بلکہ ترغیب و تربیت کے لیے بھی پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے، اور اس کی مجالس روحانی تربیت کا ذریعہ سمجھی جاتی ہیں۔

جدول: شمائلِ ترمذی کی ساخت کا خلاصہ

خصوصیت	موضوعات	حصہ
ظاہری اوصاف کی مکمل تصویر	حلیہ، مہرِ نبوت، بال، سرمہ، لباس	ابتدائی ابواب
روزمرہ عادات و معمولات	کھانا پینا، گفتگو، چلنا، سونا جاگنا	درمیانی ابواب
باطنی اوصاف اور اختتامی تاثر	عبادت، اخلاق، تواضع، حیات و وفات سے متعلق روایات	آخری ابواب

حدیثی جانچ کے قابل ذخیرہ	اسناد کے ساتھ تقریباً چار سو روایات	منہجی پہلو

کتاب کا اثر اور تنقیدی نوٹ

شمائلِ ترمذی نے بعد میں ایک پورا صنفِ تصنیف پیدا کر دیا۔ ملا علی عبدالرحمٰن کی الشفا کے ایک بڑے حصے کا رنگ شمائل سے ملتا ہے، بعد کے مصنفین نے شمائل پر مستقل کتابیں لکھیں، اس کی تلخیصیں و شروح تیار ہوئیں اور یہ موضوع نصابِ دینیات کا باقاعدہ حصہ بن گیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام ترمذی کا اصل کارنامہ موضوع کا انتخاب اور اس کی حدیثی ترتیب تھا: انھوں نے دکھایا کہ سیرت کا وہ حصہ جو بظاہر چھوٹی عادات پر مشتمل ہے، درحقیقت اتباع و محبت کی بنیاد ہے۔ تنقیدی پہلو سے یہ نوٹ کرنا بھی ضروری ہے کہ کتاب کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے؛ اکثر روایات قوی ہیں مگر بعض پر محدثین نے کلام بھی کیا ہے، اس لیے محقق قاری کو شارحین کی تحقیقات سے رجوع کرنا چاہیے۔ یہ وضاحت بھی مناسب ہے کہ اس گائیڈ میں شمائل کا بیان خالص علمی و مطالعاتی مقصد کے لیے ہے؛ کسی عمل کے شرعی حکم کی قطعی تعیین کے لیے مستند اہلِ علم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ شمائلِ نبوی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف، عادات اور معمولات کا وہ علم ہے جو آپ کی زندگی کو قابلِ اتباع عملی نمونے کی صورت میں پیش کرتا ہے۔ امام ترمذی کی الشمائل المحمدیہ اس فن کی اہم ترین کتاب ہے جس کا منہج اسناد، موضوعاتی تبویب اور فوکسڈ اختصار پر قائم ہے اور جس کا اسلوب سادہ، رواں اور روایت محور ہے۔ اس کتاب نے سیرت کے مطالعے کو واقعات سے آگے بڑھا کر شخصیت تک پہنچایا اور یہی اس کی ہمیشہ باقی رہنے والی خدمت ہے۔

سوال نمبر 5: ابنِ شہاب زہری کا تعارف و خدمات اور علمِ سیرت کے فروغ میں ان کا کردار (20 نمبر)

سوال: ابنِ شہاب زہری کا تعارف اور خدمات تحریر کریں نیز علمِ سیرت کے فروغ میں ان کے کردار پر نوٹ لکھیں۔ (20)

تمہید و تعارف

ابنِ شہاب زہری ان چند شخصیات میں سے ہیں جن کے بغیر حدیث و سیرت دونوں کی تدوین کی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔ ان کا نام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب زہری ہے؛ زہرہ قریش کے ایک قبیلے کی نسبت سے انھیں زہری کہا جاتا ہے۔ آپ تقریباً 58 ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور 124 ہجری میں وفات پائی۔ آپ نے بڑے صحابہ کی زیارت کی برکت حاصل کی اور کبار تابعین سے علم حاصل کیا، پھر مدینہ و دمشق کے علمی حلقوں کے مرکز بنے۔ آپ کی شہرت بطور محدث زیادہ ہے، مگر سیرت و مغازی کے میدان میں بھی آپ وہ کڑی ہیں جہاں سے زبانی روایت باقاعدہ تدوین کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اس جواب میں پہلے ان کا تعارف و اساتذہ و تلامذہ بیان ہوں گے، پھر ان کی عمومی علمی خدمات کا جائزہ لیا جائے گا، اور آخر میں علمِ سیرت کے فروغ میں ان کے مخصوص کردار پر تفصیلی نوٹ پیش کیا جائے گا۔

تعارف، طلبِ علم اور اساتذہ و تلامذہ

زہری نے کم عمری میں حفظِ قرآن کیا اور پھر حدیث و فقہ و مغازی کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اور سالم بن عبد اللہ جیسے مدینہ کے فقہائے تابعین شامل ہیں۔ خاص طور پر عروہ بن زبیر سے ان کا تعلق سیرت کے اعتبار سے بڑا اہم ہے، کیونکہ عروہ مغازی کے ابتدائی ترین راویوں میں سے ہیں اور ان کی روایات کا بڑا حصہ زہری ہی کے واسطے سے آگے منتقل ہوا۔ زہری کے حافظے اور ضبط کے واقعات اہلِ علم کے یہاں مشہور ہیں؛ کہتے ہیں کہ وہ کتاب سامنے رکھ کر سننے اور پھر اسے ہو بہو دوبارہ سنانے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کے تلامذہ میں امام مالک، معمر بن راشد، یونس بن یزید، عقیل بن خالد، لیث بن سعد اور سفیان بن عیینہ جیسے اہلِ علم شامل ہیں۔ یہ فہرست خود بتاتی ہے کہ دوسری صدی ہجری کا علمی نقشہ زہری کے حلقے کے گرد گھومتا ہے: مدینہ، یمن، شام اور مصر کے علمی مراکز ان کے شاگردوں کے ذریعے آپس میں جُڑ گئے۔ اموی خلفاء، خاص طور پر عبد الملک بن مروان، ولید اور ہشام سے ان کے تعلقات بھی رہے اور انھوں نے دربار میں علمی مشاورت کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں، اگرچہ ان تعلقات پر بعض اہلِ علم نے تنقیدی آراء بھی پیش کی ہیں۔

تدوینِ حدیث میں خدمات

زہری کی سب سے تاریخی خدمت حدیث کی سرکاری تدوین سے وابستہ ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے جب محسوس کیا کہ علم کے حاملین رخصت ہو رہے ہیں تو انھوں نے مختلف علاقوں کے علماء کو سنت کی جمع و تدوین کا حکم دیا، اور مدینہ میں اس کام کے مرکز ابنِ شہاب زہری قرار پائے۔ روایات میں آتا ہے کہ انھوں نے اس مہم میں بڑے پیمانے پر احادیث لکھیں اور دفاتر تیار کیے، یہاں تک کہ بعض بیانات میں ان کے علمی دفاتر کی کثرت کا ذکر مبالغے آمیز انداز تک میں ملتا ہے، جس سے اصل مقصود ان کے کام کی وسعت بتانا ہے۔ اس تدوین کی اہمیت یہ تھی کہ علم افراد کے سینوں سے نکل کر کتابوں میں آ گیا، اسناد کی جانچ آسان ہو گئی اور بعد میں آنے والے مدونین کو تیار ذخیرہ مل گیا۔

زہری کی دوسری خدمت یہ تھی کہ انھوں نے روایت میں اسناد کو باقاعدگی سے پوچھنے اور بیان کرنے کے رجحان کو مضبوط کیا؛ اہلِ علم کے نزدیک اسناد کی سختی سے طلب کا جو ماحول بنا اس میں زہری کا حصہ نمایاں ہے۔ تیسری خدمت فقہی روایت ہے: ان کی فقہی آراء و فتاویٰ بعد کے مدنی فقہاء نے نقل کیے اور مدینہ کے فقہی مزاج کی تشکیل میں ان کا کردار مسلم ہے۔

علمِ سیرت کے فروغ میں کردار: روایت و جمع

علمِ سیرت کے فروغ میں زہری کا پہلا کردار مغازی کی روایات کو باقاعدہ جمع کرنا ہے۔ انھوں نے اپنے اساتذہ، خاص کر عروہ بن زبیر، سے مغازی کی روایات حاصل کیں، مدینہ کے دیگر اہلِ علم سے انھیں ملایا اور اپنے درس میں انھیں منظم طور پر بیان کیا۔ معمر بن راشد کی کتاب المغازی، جو زہری کی روایات پر مبنی ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کا مغازی مواد اس قدر مرتب تھا کہ ان کے شاگرد اسے کتابی صورت دے سکے۔ عبدالرزاق کی المصنف میں محفوظ معمر عن الزہری کی روایات آج بھی محققین کے لیے مغازی کے قدیم ترین ذخیرے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ دوسرا کردار یہ ہے کہ زہری نے مغازی کو حدیث کے دھارے سے جوڑ دیا۔ ان سے پہلے مغازی کی روایات زیادہ تر قصص و ایام کے انداز میں بھی ملتی تھیں؛ زہری نے انھیں اسناد و راویوں کی جانچ کے اسی نظام میں داخل کیا جو حدیث کے لیے تھا۔ اس ربط نے سیرت کو سندی اعتبار بخشا اور بعد میں ابنِ

اسحاق جیسے مصنفین کے لیے وہ ماحول تیار کیا جہاں سیرت لکھنا بھی ایک سندی علمی کام سمجھا جاتا تھا۔ یاد رہے کہ ابنِ اسحاق نے خود زہری سے استفادہ کیا تھا، اس لیے سیرت کی سب سے بڑی کتاب دراصل زہری کے حلقے کا تسلسل بھی ہے۔

جدول: ابنِ شہاب زہری کی خدمات کا خلاصہ

شعبہ	خدمت	اثر
تدوینِ حدیث	عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر سنت کی جمع و تحریر	علم کتابی صورت میں محفوظ ہوا
اسناد	راویوں و سند کی باقاعدہ طلب و جانچ کا رجحان	روایت کی سندی جانچ مضبوط ہوئی
مغازی و سیرت	عروہ وغیرہ سے مغازی روایات کی منظم ترسیل	ابنِ اسحاق و معمر وغیرہ کے لیے بنیادی ذخیرہ
تدریس	مالک، معمر، لیث سمیت بڑے تلامذہ کی تیاری	مدینہ، شام، مصر و یمن کے مراکز جُڑ گئے

علمِ سیرت کے فروغ میں کردار: اثرات و وسعت

زہری کے اثرات کی وسعت کو تین مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلی یہ کہ ان کی روایت کردہ مغازی کی بہت سی اطلاعات ابنِ اسحاق، واقدی اور طبری کے واسطے سے آج تک محفوظ ہیں؛ اگر یہ کڑی درمیان سے نکل جائے تو ابتدائی مغازی کا بڑا حصہ ہم سے اوجھل ہو جائے۔ دوسری یہ کہ انھوں نے سیرت کے واقعات کی زمانی ترتیب و شناخت میں وہ معلومات فراہم کیں جن پر بعد کے مصنفین نے اپنی کرونولوجی کی بنیاد رکھی۔ تیسری یہ کہ ان کے درس کے مرکز مدینہ و دمشق دونوں ہونے سے سیرت کا علم حجاز و شام کے حلقوں میں بیک وقت پھیلا، اور یہ جغرافیائی وسعت بعد میں سیرت کی کتب کی تدوین کے مختلف مراکز کی صورت میں ڈھلی۔ تنقیدی پہلو سے محققین یہ بھی نوٹ کرتے ہیں کہ زہری کی بعض روایات مرسل صورت میں ملتی ہیں اور ان میں کبھی اختصار کے باعث واقعے کے بعض پہلو باقی نہیں رہتے؛ اس لیے بعد کے سیرت نگار ان کی روایات کو دیگر

شواہد کے ساتھ ملا کر استعمال کرتے ہیں۔ یہ احتیاط ان کی قدر کم نہیں کرتی بلکہ اس علمی نظام کی پختگی دکھاتی ہے جس کی بنیاد خود انھی نے رکھی تھی۔ اس علمی دیانت کے ساتھ یہ بات بھی سمجھنی چاہیے کہ دینی احکام کے قطعی اطلاق کا کام اہلِ علم کا ہے؛ یہاں زہری کی خدمات کا ذکر خالصتاً تاریخِ علم کے طور پر کیا گیا ہے۔

زہری کے منہج سے حاصل ہونے والے اسباق

زہری کی زندگی اور کام سے طالب علم کو سیرت نگاری کے کئی پائیدار اسباق ملتے ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ علم کی حفاظت بروقت تدوین سے ہوتی ہے؛ اگر وہ نسل روایت کو تحریر میں منتقل نہ کرتی تو بعد کی نسلیں اس سرمایے سے محروم رہتیں۔ دوسرا سبق اسناد و ماخذ کی قدر ہے: ہر خبر کے ساتھ اس کا ذریعہ بتانا علمی دیانت کی پہچان ہے۔ تیسرا سبق استاد کا انتخاب اور طویل صحبت ہے: زہری نے مدینہ کے بہترین اہلِ علم کی صحبت میں برسوں گزارے، پھر بعد میں خود مرجع بنے۔ چوتھا سبق یہ ہے کہ سیرت و حدیث کو الگ الگ خانوں میں بانٹنے کے بجائے ایک مربوط علمی نظام کے طور پر دیکھنا چاہیے، کیونکہ زہری کی شخصیت میں یہ دونوں دھارے یکجا تھے اور اسی یکجائی نے دونوں کو فائدہ پہنچایا۔ یہ اسباق آج کے محقق کے لیے بھی اتنے ہی اہم ہیں جتنے دوسری صدی ہجری میں تھے۔

نتیجہ

حاصلِ کلام یہ ہے کہ ابنِ شہاب زہری (58 تا 124 ہجری) تدوینِ حدیث کے بانیوں میں سے بھی ہیں اور علمِ سیرت کو زبانی روایت سے مدون علم کی طرف منتقل کرنے والی مرکزی کڑی بھی۔ عمر بن عبدالعزیز کے عہد کی تدوینی مہم، اسناد کی مضبوطی، مغازی کی منظم روایت اور بڑے تلامذہ کی تیاری ان کی وہ خدمات ہیں جن پر ابنِ اسحاق، واقدی اور بعد کے تمام سیرت نگار کسی نہ کسی واسطے سے کھڑے ہیں۔ اسی لیے سیرت کے فروغ میں ان کا کردار کسی ایک کتاب سے نہیں بلکہ پورے علمی نظام کی تشکیل سے ناپا جاتا ہے۔